سید تقی حسن عابدی کی کتاب ''غالب دیوانِ نعت ومنقبت

از: ف۔ س۔ اعجاز

سیّد تقی حسین عابدی ایک غیر مقیم ہندوستانی یعنی NRI ہیں۔ پیشے سے طبی معالج ہیں۔ ایم بی بی ایس حیدر آباد، آندھرا پردیش سے کرنے کے بعد M.S. برطانیہ سے، ایف سی اے پی امریکہ سے اور F.R.C.P. کنیڈا سے کی۔

اہل ادب کے لئے خاص بات یہ ہے کہ آپ کا ذوق شاعری، ادبی تحقیق وتنقید ہے۔ ہندوستان کے بعد آپ کا قیام ایران، برطانیہ اور نیویارک میں رہا ہے۔ اب کنیڈا میں مقیم ہیں۔ ان کے علمی وادبی شوق کی پرورش بھی ان کی عمر کے اس حصے میں ہوئی جو ان ممالک میں گزرا۔ تیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اقبال، انشاء اللہ خان انشاء، مرزا دبیر، انیس، نجم آفندی، تعشق لکھنوی پر آپ نے بڑی حیثیت کے تحقیقی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ آئندہ کارناموں میں اقبال کی ''شکوہ جواب شکوہ'' کا تجزیہ، رباعیاتِ دبیر، فانی لافانی اور تجزیہ رباعیات فراق گورکھپوری خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ مضامین کا ایک مجموعہ ''سبد سخن'' بھی شائع ہوا ہے۔

''غالب دیوانِ نعت ومنقبت'' سیّد تقی عابدی صاحب کا 800 صفحات پر مشتمل تازہ ترین تحقیقی کارنامہ ہے۔ ان کی یہ کتاب اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس موضوع پر غالب کی نہ صرف اردو فارسی شعری تخلیقات بلکہ نثری تحریروں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے ایک چوتھائی صفحات غالب کی فارسی واردو نعتوں، رباعیات وقطعات، فاتحہ، معراج ناموں، امام علیؑ کی شان میں کہی گئی منقبتوں، قصیدوں، امام مہدی، حضرت عباسؑ کے لئے کہے گئے مرثیوں، سلاموں اور نوحوں پر مشتمل ہیں۔ چند صفحات پر عبدالباری آسی، کالی داس گپتا رضا، اور ڈاکٹر ظ انصاری کی تحریروں کو جگہ دی گئی ہے۔ غالب کی فارسی مثنوی ''ابر گہر بار'' کا ظ انصاری کا اردو ترجمہ بڑی خوش سلیقگی سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن کل 72 میں سے 18 مضامین خود تقی عابدی صاحب کے لکھے ہوئے ہیں۔ کتاب کا مقصد مصنف کے اپنے مضامین سے واضح ہوتا ہے۔ نعت ومنقبت کے حوالے سے غالب کے اولاً فارسی اور ثانیاً اردو کلام کو تحقیق کا موضوع بنانے کی پہلی کوشش سید تقی عابدی نے کی ہے۔

بہترین ریسرچ سے تنقید کو بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ تقی عابدی صاحب کے کئی مضامین اور چند مضامین کے اجزا تحقیق وتنقید کے میدان میں ان کی اصول پسندی کا نمونہ کہے جا سکتے ہیں۔ غالب کے فارسی حمدیہ، نعتیہ، منقبتی کلام کا اردو ترجمہ وتشریح عابدی صاحب کی ترجمہ وتفسیر کی صلاحیت کا روشن ثبوت ہے۔ ''غالب دیوان نعت ومنقبت'' کی وجہ سے پہلی بار غالب کی نعتیں اور منقبتیں، قصائد اور سلام وغیرہ دوسرے محققین کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔ غالب فطرت کی اپنی فن کارانہ دانشوری کا بہترین نمونہ ہے جس کی کامیاب نقالی کی کوشش ناممکن نظر آتی ہے۔ غالب کی مفہومیت تہہ در تہہ ہے۔ اسی لئے کلام غالب کے تشریحی پہلو بھی ان گنت ہیں۔ لیکن نعتوں، منقبتوں وغیرہ کے معنوی تمول (Enrichment) پر اگر شک نہ بھی کیا جائے تو ان کی مفہومیت غالب کے متصوفانہ کلام سے کم تر درجے کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اور بزرگان دین کو موضوع بناتے وقت یا انہیں اپنا مخاطب سمجھتے ہوئے شاعر کو قصداً اور احتیاطاً محدود ہو جانا پڑتا ہے۔ عرفی کے فرمان ''با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار'' میں جو ایک تلقین ہے وہ اسی شعوری محرک کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پیغمبروں اور بزرگان دین کی بارگاہ میں عقیدتیں مجرم ہونا اور میلی ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے غالب کے اس کلام کے ترجمہ اور تشریح پر کتابِ مقدس کے پاکیزہ سائے تو لہراتے نظر آتے ہیں لیکن غالب کی اوریجنل شاعرانہ فکر کے جلوے اس میں کم نظر آتے ہیں۔ تو کیا ترک رسوم کا کیش اپنانے والا غالب جسے موحد ہونے پر ناز تھا مسلک کے نام پر اپنے عقیدے اور عقیدت کے اظہار میں ایک عام روایت پسند اور عاجز سا بندہ تھا۔ اس سوال کو بھی اٹھایا جانا چاہئے تھا لیکن اس سوال کو جذبہ کی طاقت در رد بہا لے گئی۔ البتہ فارسی حمدیہ مثنوی ابر گہر بار ایک انتہائی ارفع درجہ کا کلام ہے جس میں خدا کی ثنا از حد لطیف ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر مسلک سے اونچی اور تمام مسلکوں میں مساوی طور پر قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔ ''مثنوی گہر بار'' کا اردو ترجمہ ظ انصاری نے بڑے جذبہ سے کیا ہے ان کے سلیس اور پاکیزہ ترجمہ میں روح شرابور ہو جاتی ہے۔ لفظ لفظ شبنم کا قطرہ معلوم ہوتا ہے۔

سید تقی عابدی نے غالب کی حمد، نعتوں اور منقبتوں کے تجزیے الگ الگ باب میں مختلف زاویوں سے کئے ہیں۔ ان کا تجزیاتی طریقہ بڑی حد تک سائنسی ہے اور کسی نئی عقلی راہ پر ہمیں لے پہنچتا ہے۔ میں بہت اختصار سے ان کے ایک مضمون ''غالب کی منقبت'' صفحہ 380 سے ایک حوالہ دینا چاہوں گا۔ ابتداء میں ڈاکٹر ظ انصاری کا ایک فقرہ تقی عابدی نے نقل کیا ہے کہ ''حضرت علیؑ کا نام زبان پر آجائے تو غالب کی روح جھوم اٹھتی ہے''۔ ''پھر یادگار غالب'' سے حالی کی یہ عبارت تحریر کی ہے کہ ''غالب نے تمام عبادات وفرایض میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید وجودی اور دوسرے نبیؐ اور آل نبیؐ کی محبت اور اس کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے''۔ آگے چل کر مصنف نے ڈاکٹر فاروقی کے غالب کے علوی نظریۂ حیات کو مانتے ہوئے اپنی تلاش وتعبیر کتنی عمدگی سے بیان کی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''وہ علوی انسان ''Superman'' کا تصور جو نطشے نے گوئٹے کے فاؤست سے لے کر اپنے نظریات میں عروج پر پہنچایا اسی وقت غالب کی تخلیق میں حضرت علیؑ کی صورت وسیرت میں موجود تھا جس کا عکس غالب کی فارسی کی اس غزل میں ملتا ہے جسے علامہ اقبال نے جاوید نامہ کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑ دیا ہے۔

بیا کہ قاعدہ آسماں بگردانیم
قضا بگردنِ رطل گراں بگردانیم
زحیدریم من و تو زما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

آؤ تا کہ آسمان کی گردش کو پلٹ دیں، تقدیر جو لکھی جا چکی بدل دیں۔ تو اور میں حیدری ہیں اور یہ ہمارے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ہم نے ڈوبتے سورج کو پکڑ لیا ہو''۔

اب دیکھئے موضوع کا محور مسلکی ہی سہی لیکن اس پر تنقید کا ذہن ماورائے مسلک ہے اور نطشے کے سپر مین تک رسائی حاصل کرنے میں آزاد ہے۔ اور جس طرح غالب خود کو بندگی بنانے کی جا بجا کوشش کی ہے۔

''غالب کی حمد'' عنوان کے مضمون میں عابدی صاحب لکھتے سخت تعجب ہوتا ہے کہ اردو وفارسی کے شاعر کی حمدوں کے بارے میں کوئی تحقیقی وتنقیدی کام تو ایک طرف ا سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی نا آشنا واقعی تقی عابدی اپنی پہلی نظر کے ـ کے مستحق ہیں جو ''غالب دیوانِ نعت جیسا شہکار منظرِ عام پر لے آئی۔

غالب کے دیوانِ نعت و جدول کو عابدی صاحب نے اپنی خاص جگہ دی ہے۔ اس کے مطابق نعتیہ ومنقبتی اشعار فارسی میں 649 اردو میں صرف 239 ہیں۔

غالب پر بنی فلموں نے لوگو کی زندگی میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا فلم کے پردے پر دکھائی گئی غالب تفریحی یا تفریح بخش زیادہ معلوم ہ ادب میں تحقیق کرنے والے غالب میں اپنے اپنے طور پر دلچسپی لیتے ہیں۔ کی اس کتاب کا سب سے دلچسپ با زندگی نامہ ہے جو 31 صفحات پر مش اس میں غالب کے مذہب پر 11 ص جو روشنی ڈالی گئی ہے تقی عابدی کی ار نظریہ اسی سے متعین ہوتا ہے۔ الطا حالی، مالک رام، کالی داس گپتا رضا، آبادی، جوش ملسیانی، پروفیسر البر لے، پروفیسر اناماری شمل، پروفیسر ا ابوسانی، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، ادیب را و دیگر اسکالروں کے غالب کے مذ بارے میں نظریات اور بیانات ا صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ ان سے ہے کہ غالب اہل تشیع تھے لیکن ان کا حلا بیشتر اہل تسنن پر مشتمل تھا۔ غالب کے حکیم محمود خاں اور نواب ضیاء الدین۔ آخری رسمیں سنی مسلک کے مطابق ا غالباً وہ غالب کو سنی ہی سمجھتے تھے ایس سے ہوا۔

صفحہ 33 پر غالب کے خط حاتم علی مہر سے ایک اقتباس پیش کیا گیا ملاحظہ فرمائیں:

''صاحب! بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خا

آگے چل کر تقی عابدی لکھتے ہیں:

"لیکن یہ بھی واقع ہے، کہ ان کی شیعیت صرف اسی حد تک ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے باقی صحابۂ رسول کو تاروں اور حضرت علی کو چاند سے تشبیہ دی ہے [illegible] اس کی تعبیر ہم [illegible] لفظوں میں یوں بھی کر سکتے کہ ان کی شیعیت کا امتیازی نشان تبرا نہیں، بلکہ تولا ہے۔ یعنی وہ دوسرے صحابہ پر تبرا نہیں کرتے بلکہ حضرت علی سے اپنے تولا و محبت کا شدت سے اظہار کرتے ہیں۔ اب یہ کوئی مخصوص شیعی عقیدہ نہیں ہے۔ تفضیلی سنی بھی یہی مسلک رکھتے ہیں"۔ (صفحہ: 35)

سید تقی عابدی کی یہ کتاب غالب کے دینی مسلک پر پورا زور صرف کرتی ہے۔ ایمان کی بات ہے اس اپروچ کے بغیر نہ یہ کتاب اپنے مقصد کو پاتی اور نہ غالب کا اوپن دیوان [illegible] نسبت پورا ہوتا۔ صفحہ [illegible] پر مصنف نے [illegible] غالب [illegible] اشعار میں بال کی کھال نکالی ہے۔ غالب کی نجی زندگی پر تبصروں میں ولایتی شراب کے نام اور ان کے دام تک ملتے ہیں لیکن ان کے نعتیہ اور منقبتی کلام کے حجم کا ذکر تک نہیں ملتا"۔

بہر حال اس بحث سے غالب کی شخصیت اور شاعری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری نظر میں شاعری خود ایک مذہب ہے۔ اور جیسا کہ پیشتر حالی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے "غالب کا مذہب صلح کل تھا اور انھوں نے "تمام عبادات و فرائض میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید وجودی اور دوسری نبیؐ اور آل نبیؐ کی محبت اور اس کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے"۔ (صفحہ: 31)

میری ناقص رائے میں غالب کی عظمت حالی کی اسی رائے سے طے پاتی ہے۔ لیکن اس کے مسلک اور اس کے اقرار کو تقی عابدی کی اس کتاب کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ انھوں نے اپنی قلندرانہ طبیعت سے بے جا تکلفات کے پردے اٹھا دیے ہیں۔

چوں کہ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ مثلاً زندگی نامہ میں غالب کی پیدائش کا سال 1897 عیسوی لکھا ہے۔ یہ 1797 عیسوی ہونا چاہئے تھا۔

●●